انتالیسواں سفر ۔ سان لوئی زبسپو

بہت وقت گزر چکا تھا۔ ہمارا سفر ۱۹۳۳ء سے شروع ہوا تھا، اب ۹/جون ۲۰۰۰ء تھی۔ ہماری پوتی حنا عنبرین نے کیل پولی، سان لوئی زبسپو (Cal-Poly, San Luis Obispo) سے کمپیوٹر سائنس میں بی ایس کا امتحان پاس کیا تھا۔ دوسری طرف حنا کے ڈیڈی اور ہمارے بیٹے نجم، اور دوسرے بیٹے شمس کی لاہور انجنیئرنگ یونیورسٹی کی کانووکیشن اب ۲۵/سال گزرنے کے بعد بھی نہیں ہوسکی ہے، کہ ایوب، بھٹو کے ہنگاموں کی نظر ہوگئی تھی۔ وہاں تو کوئی جا نہ سکا، لہذا ان کی گریجویشن میں شرکت کے لئے ہم سب وہاں گئے۔ سان لوئی زبسپو، یا اردو پنجابی میں ''لوئی زبسپو گوٹھ''، ہمارے گھر سے تقریباً ۳۵۰/میل دور تھا۔

جمعہ کی شام کو نکلے تو فری وے ۱۰۱ پر ٹریفک بہت تھا۔ پانچ، ساڑھے پانچ گھنٹے میں وہاں ایک موٹیل پہنچے۔ کھانا اور چائے ساتھ تھا ہی، سو تھوڑا بہت کھا لیا اور اب سونے کی تیاری شروع، مگر نیند نئی جگہ پر دیر سے ہی آتی ہے اور ہمارے ساتھ یہی مسئلہ ہے کہ کہیں بھی رات رکیں تو اگر اپنا تکیہ و بستر نہ ہو تو نیند غائب ہو جاتی ہے۔ خیر جتنی دیر سو سکے سو لئے۔ نیند ہونے سے کچھ تھکن کم ہوئی، دوسرے دن جلدی اُٹھنا تھا۔

اب جو صبح کو سو کر اُٹھے تو دیر ہو چکی تھی، لہذا موٹیل سے ہی ناشتہ طلب کیا۔ یہاں ریستوراں کی طرف سے اِنڈین چائے کا پوچھا گیا۔ یہ موٹیل کسی اِنڈین پٹیل فیملی کا تھا۔ ہمیں پتہ چلا کہ کیلیفورنیا میں اکثر موٹیل انڈیا کی پٹیل برادری کے ہیں اور اب یہاں کسی موٹیل کا نام نہ معلوم ہو تو اسے مذاق میں ''پٹیل موٹیل'' کہتے ہیں، جیسے کہ نامعلوم لاشوں کو ''جان ڈو''۔ غرض نیکی اور پوچھ پوچھ۔ ہم نے چائے کے لئے

فوراً ہاں کی۔ ناشتہ کے ساتھ گرم گرم دودھ پتّی کی چائے پی تو لُطف دوبالا ہوگیا ناشتہ کا۔ یہاں سے فارغ ہوئے۔ کچھ سامان خریدنا تھا اور ساتھ ہی آس پاس کا علاقہ دیکھنا بھی مقصود تھا، سو گاڑی میں آ بیٹھے۔

اِس شہر کی تین چیزیں مشہور ہیں۔ ایک تو یہاں کی یونیورسٹی، جو کیلیفورنیا پولی ٹیکنک کہلاتی ہے۔ دوسرا یہاں کا ڈیابلو ویلی نیوکلیر پاور پلانٹ جو زلزلہ سے متاثر زمین کے اوپر ہے۔ اِس کے خلاف کیلیفورنیا اور خاص طور سے برکلے کے لوگ ایک زمانے میں بہت آواز اُٹھاتے تھے۔ تیسری مشہور جگہ یہاں کی ایک گلی ہے جس کے ایک طرف کی دیوار پر لوگ آ کر اپنی چبائی ہوئی چیونگ گم چپکا دیتے ہیں اور اب یہاں لاکھوں کی جھوٹی گم لگی ہے۔ ہم نے تینوں ہی جگہیں دیکھیں، اور پہلی چیز گم وال یا گم والی دیوار تھی۔ گرمی اتنی تھی کہ چیونگ گم نرم ہو ہو کر کچھ تو زمین پر پڑی تھیں گو کہ یہ نسبتاً سائے کی طرف والی دیوار پر ہیں۔ دیوار اینٹوں کی ہے جس سے گم اچھی طرح چپک کر لگی رہتی ہے۔ ہر شریف خواتین و حضرات، لڑکے لڑکیاں گم چبا چبا کر چپکاتے اور فخر سے دیوار کی تصویر لیتے۔ یہ بھی کیا تماشہ ہے۔ صحیح ہے کہ جب پیٹ بھرا ہو تو انسان کو نئی نئی سوجھتی ہے۔

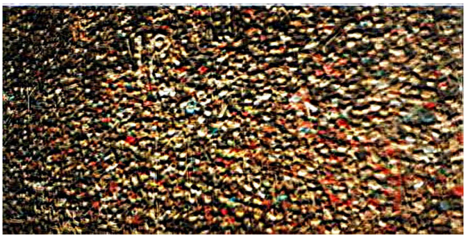

سان لوئی زبسپو: قریبی پہاڑی پر ہائی وے ۱۰۱ سے شہر (دائیں)، اور رنگ برنگی چیونگ گم سے لدی ہوئی دیوار۔

سان لوئی زپسپو: ڈیابلوکینین نیوکلیئر پلانٹ کے دو گنبد نما ری ایکٹر

پھر چلے یہاں کے اطراف دیکھنے کے لئے۔ خوبصورت چھوٹا سا شہر ہے، سمندر کے کنارے۔ سمندر کا پانی صاف ہے لیکن ساحل کے ساتھ ہی کراچی کی طرح یہاں کا ڈیابلو کینین نیوکلیئر پاور پلانٹ ہے۔ یہاں دو ری ایکٹر ہیں جن کے گنبد ایک مسجد کی طرح دور سے نظر آتے ہیں۔ یہ پاور پلانٹ ایک کھائی جیسی جگہ پر ہے اور اس کے تین طرف پہاڑی ہے اور ایک طرف سمندر۔ ساتھ

میں بچے تھے لہذا ہم نے قریب جانا بھی مناسب نہ سمجھا۔بس یہاں کی تیسری مشہور جگہ یعنی یہاں کی یونیورسٹی کی طرف چلے جہاں جانا اصل مقصد تھا۔

دوسرے بیٹے شمس اور بیٹی رعنا جو کینیڈا کے شہر وینکوور سے آئی ہوئی تھیں، دونوں صبح ۵/ بجے السوبرانتے سے چل کر ۱۱/ بجے تک یہاں آ گئے تھے۔گریجویشن کی تقریب ۲/ بجے دوپہر شروع ہونا تھی۔ہوٹل سے یہ یونیورسٹی آدھے گھنٹے کی حدود میں تھی۔خیر کچھ مزید شہر دیکھا اور کچھ خریدا، خریدا کیا بلکہ دھوپ سے بچاؤ کے لئے ٹوپیاں لیں۔چونکہ جب گھر سے چلے تو اِدھر موسم سہانا سا تھا مگر یہاں گرمی عروج پر تھی اور یہ علاقہ ملتان بنا ہوا تھا۔اب ایک بجے یونیورسٹی کے لئے خراماں خراماں چلے، اندر کھلے میدان میں گئے، اور جو سیٹ سب سے قریب تھی وہاں بیٹھ گئے۔یہ ایک بہت وسیع میدان تھا جس میں دور دور تک نشستیں نظر آ رہیں تھیں اور ہر طرف اونچے اونچے سرسبز درخت لہلہا رہے تھے۔اس کھلی جگہ پر ۷۰۰۰/طلباء و طالبات و دیگر تدریسی اہم شخصیات کے بیٹھنے کا اِنتظام تھا۔اِسٹیج بیچ کھلے میدان میں تھا جہاں آس پاس کوئی سائے دار درخت نہیں تھے۔نہ ہی کوئی طنبو وغیرہ لگے تھے۔ٹھیک ۲/ بجے بینڈ پر کوئی دُھن بجنا شروع ہوئی۔ہم لوگ اُوپر کی نشستوں پر ایسے براجمان تھے، جیسے کرکِٹ کے میدان میں تماشائی۔اب جو دھَم دھَم بینڈ بجنا شروع ہوا تو ہمارے پوتے محسن اپنے ڈیڈی کی گود میں چڑھے اور کانوں پر ہاتھ رکھ کے بولے کہ''ڈیڈی' اِٹ اِز ٹو لاؤڈ(It is too loud)''۔اِنہیں شور شرابہ پسند نہیں ہے، چاہے خود کتنا ہی چیخ لیں۔محسن صاحب کو اُن کے چچا نے گود میں اُٹھایا اور انہیں لے کر ذرا دور ہٹ کے کھڑے ہو گئے تا کہ محسن کو شور کم سنائی دے۔

یہاں دوسرے یورپی نژاد کے امریکی تو پہلے ہی کم سے کم کپڑوں میں آئے تھے، بس شارٹس اور ٹی شرٹ یا ٹینک ٹاپ۔مت پوچھیں یہ کیا کپڑے ہوتے ہیں۔انہوں نے فوراً سن اسکرین لگانا شروع کر دی۔ہم نے ہیٹ لگایا، سن اسکرین لگائی۔دھوپ کے چشمہ لگائے، اور بیٹھے رہے صبر وسکون سے۔بہت نظم وضبط ہے یہاں، ہر موقع پر ہوتا ہے سو آج بھی تھا۔آدھے گھنٹے کے بعد طلبا قطاریں بنائے میدان میں آنا شروع ہوئے۔اِس کا ایک مرحلہ صبح ۹/ بجے ہو چکا تھا، جو کہ میڈیکل سائینس گروپ کا تھا، اور اب یہ دوپہر کا مرحلہ کمپیوٹر سائینس کے شعبے کا تھا۔اب پروفیسر صاحبان آنا شروع ہوئے اور آ کر اِتنی طویل تقریریں کیں کہ جنہیں سُنتے سُنتے گرمی سے پسینے چھوٹنے لگے۔خدا خدا کر کے طلبا کے نام ونمبر کے اعلان ہوئے تو معلوم ہوا کہ خواتین

مردوں پر سبقت لے گئیں ہیں اور تعداد بھی لڑکیوں ہی کی زیادہ تھی۔ خاص طلبا کے ساتھ ہماری حنا کا نتیجہ پکارا گیا۔ یہ اعلیٰ نمبروں سے کامیاب ہوئی تھیں اور ان کی نشست چند دوسرے اسی طرح کے طالب علموں کے ساتھ تھی، دوسرے طالب علموں سے الگ۔ بڑی خوشی ہوئی یہ دیکھ کر۔ جب یہ کھڑی ہوئیں تو ہم نے خوب ہاتھ ہلا ہلا کر ان کی توجہ اپنی طرف کرنا چاہی، لیکن اتنے بڑے مجمع میں حنا کے لئے آسان نہ ہوگا کہ وہ ہمیں پہچان سکیں۔ ہم نے ہی انہیں بڑی مشکل سے پہچانا تھا۔ انہوں نے سب کے ساتھ کھڑے ہو کر ایک اور تصویر کھنچوائی اور پھر یہ تقریب ۴ ربجے کے قریب ختم ہوگئی۔ تمام طلباء قطاروں میں باہر نکلے۔ ہم حنا کے کمرے میں واپس آ گئے۔ سب نے ایک ایک تصویر حنا کے ساتھ اُن کے گریجویشن کے لباِس میں کھنچوائی۔ شام کو ۶ ربجے حنا نے ہمیں ایک ریستوراں میں کھانے پر مدعو کیا تھا، سو وہاں گئے۔

آج ہر ریستوراں میں سَر ہی سَر نظر آ رہے تھے اور ہفتوں پہلے بُکنگ کی گئی تھی آج کے دن کے لئے۔ اس پر بھی حالت یہ تھی کہ لوگ اپنی باری کے اِنتظار میں باہر قطار میں لگے تھے۔ اِس گریجویشن تقریب میں طلباء کے خاندان و دیگر دوست اِحباب، دور دور سے آئے ہوئے تھے۔ ہزاروں طلباء تھے۔ سوچیں کہ کیا عالم ہوگا ٹریفک اور ہوٹلوں کا، کہ مہینوں پہلے سے ہوٹل اور ریستوراں بُک تھے۔ ہمارے موٹیل کے دو کمرے بھی ہمیں بڑی مشکلوں سے ملے تھے۔ غرض ہماری باری آئی، آرڈر دیا، آدھے گھنٹے کے بعد ہمارا مطلوبہ کھانا آیا۔ کھانے میں چاول، سبزی سے بنی ڈِش، چکن وچٹنی اور سِرکہ ہماری فرمائش پر آیا۔ کھانا بے حد لذیذ تھا۔ بعد میں میٹھے میں آئیسکریم و چائے اور پھر یہاں سے واپسی کی ہوئی۔ اب سب کی روانگی کا وقت تھا۔ سب اپنے اپنے ٹھکانوں پر اپنی گاڑی کی طرف چلے۔ ہم روانہ ہونے لگے یونیورسٹی کے ہاسٹِل سے واَلنٹ کریکِ کی طرف۔ شمس ہمارے پیچھے رعنا کے ساتھ چلے۔

چلے تو جلدی تھے پھر بھی ۸ ربج رہے تھے اور خیال یہ تھا کہ رات ۱۱ ربجے ہم گھر پہنچ جائیں گے۔ خدا حافظ کہہ کر چلے تو بس پھر چلتے ہی رہے۔ ۹ ربجے ہمیں گاڑی کی رفتار کچھ زیادہ لگی تو ہم نے بیٹے اعجاز سے پوچھا کہ ’’کتنے پر جا رہے ہو؟‘‘ کہنے لگے کہ ’’زیادہ نہیں، یہی کوئی ۶۵ رمیل کی رفتار سے جا رہا ہوں۔ وہ دیکھیں امّی، ہم سے سب لوگ آگے جا رہے ہیں‘‘۔ ابھی یہی کہہ کر پانچ مِنٹ بھی نہ گزرے تھے کہ ایک پٹاخہ چُھوٹا اور ایسا محسوس ہوا کہ وین کی چھت پر کوئی چیز آ کر گرِی ہو۔ مگر ہمارے بیٹے گاڑی چلاتے رہے، ہم پھر

بولے کہ ’’بیٹا، دیکھو تو صحیح ، یہ کیا ہوا، کیسی آواز تھی یہ؟‘‘ کہنے لگے کہ ’’کوئی پتھر وتھر گاڑی کے وہیل کے نیچے آکر اُچھلا ہوگا‘‘۔ پھر چلتے رہے۔ اَچانک گاڑی کچھ ہلّل ڈلّل سی ہونے لگی تو اِنہوں نے گاڑی ایک کنارے پر روکی۔ اُتر کر دیکھا تو جناب ٹائیر پنکچر ہو چکا تھا۔ بلکہ یوں کہیئے کہ اچھا خاصا ٹکڑا، ٹائیر کا کٹ چکا تھا۔ اب آہستہ روی سے گاڑی سڑک کے کنارے لائے۔ گاڑی کو کنارے پر کھڑا کر کے سوچنے لگے کہ کتنی سنسان جگہ پر یہ واقعہ ہوا ہے، کیا کرنا چاہیئے؟ غرض کہ ٹرِپل اِے (AAA) کو فون کیا کہ یہ ہوا ہے اور بتایا کہ ہم کِس جگہ کھڑے ہیں۔ یہ ٹرِپل اِے، ایک آٹو اِنشورنس کمپنی ہے۔ یہ لوگ گاڑی خراب ہونے کی صورت میں، یا کسی بھی دوسری ضرورت کے موقعہ پر، حتیٰ کہ گاڑی کی چابی گاڑی میں بھول جانے کی صورت میں بھی فون کرنے پر فوراً اِمداد کی لئے پہنچ جاتے ہیں۔ اور اب تو یہ گھروں اور دوسری دیگر جائیداد وزمین وغیرہ کے معاملات میں بھی سہولت مہیّا کرتے ہیں۔ غرض اِدھر فون کیا مگر کوئی جواب نہیں مِلا، کیونکہ رات کافی ہو چکی تھی۔ اِس وقت رات کے ساڑھے نو بج رہے تھے۔ خوش قسمتی کہیئے کہ ہمارے دوسرے بیٹے شمس اور بیٹی رعنا، دوسری گاڑی سے ہمارے ساتھ ہی روانہ ہوئے تھے۔ انہیں فون کیا ان کے موبائل فون پر۔ یہ لوگ بمشکل ۲ رمنٹ پیچھے تھے ہم سے۔ رات بہت تھی اور اُس پر سخت سَردی وسنّاٹا، کوئی آس پاس روشنی اور آبادی بھی نہیں تھی کہ روشنی کا ہی سہارا ہو جاتا۔ خیر شمس نے اپنی گاڑی لا کر ہماری پنکچر شدہ وین کے پیچھے کھڑی کی اور اپنی گاڑی کی فُل ہیڈ لائیٹس کھول دیں تا کہ وین کا پنکچر بدلنے میں آسانی ہو۔ دونوں بھائیوں نے اِسپئیر وہیل ٹرنک سے نکالا اور خود ہی ٹائر بدلنے لگے کہ اِتنے میں ایک پولیس کار آکر رکی اور اُن کے پوچھنے پر پورا ماجرا بتایا۔ اُنہوں نے سننے کے بعد کہا کہ خواتین اور بچوں کو باہر نہ نکلنے دیں۔ یہ سننا تھا، ہم لوگ گاڑی میں آبیٹھے۔ اِن پولیس اَفسر صاحب نے بھی ٹرِپل اِے کو فون کیا اور کہا کہ ابھی یہ لوگ تقریباً ۳۰ رمنٹ میں یہاں پہنچ جائیں گے۔ مگر اِس پولیس اَفسر کو ہم داد دیتے ہیں کہ وہ ہمارے ساتھ اُس وقت تک کھڑے رہے کہ جب تک کہ ٹرِپل اِے والوں کا ٹرک نہ پہنچ گیا۔ رات ڈھائی بجے گھر آکر دو رکعت نمازِ شکُرانہ اور دیگر قضاء نمازیں پڑھتے پڑھتے رات کے ۳ ربج گئے۔ ہم بھی جا کر بستر میں دراز ہو گئے۔ کچھ آرام اور سکون چاہیئے تھا۔ اب زمانہ کی رفتار کچھ تیز ہو گئی ہے۔ ابھی تھوڑی ہی دیر پہلے ہم اپنے بزرگوں سے کھیل کھیل میں الف لام میم پڑھ رہے تھے کہ ہماری پوتی نے اپنی گریجویشن کی تقریب میں ہمیں بلا لیا۔